۲۵

بازیافت

مدیر: ڈاکٹر محمد کامران

معاون مدیران: ڈاکٹر ضیاء الحسن، ڈاکٹر ناصر عباس نیّر

شعبۂ اُردو اورینٹل کالج، پنجاب یونیورسٹی لاہور

مرآۃ العروس: نسوانی اختیار اور مردانہ اصلاح

محمد نعیم

Abstract:

In this article, much discussed and popular novel of Nazir Ahmad, *Miratul Uroos* is analyzed in gender perspective. With the analysis of its main character Asghari, it is argued that novelistic fiction brings about in Urdu literature possibilities of human Agency, especially for the hitherto silenced voices of oppressed gender. This character also brings forth the ambivalent nature of novel, to the extent that even the reformative pulls of the author gave way to the polyphony.

اردو میں ناول انسانی اختیار (Agency) کو متشکل کرنے کا امکان لے کر آیا۔ اس میں پیش کیے گئے کردار انسانی کارگزاریوں اور انسانی اختیار کا بیان ہیں۔ ناول ہو یا افسانہ، ان کی تعمیر میں انسانی اختیار کو وسعت دینے کا رجحان موجود ہے۔ جدید فکشن کا ظہور ہی انسان کے اپنی تقدیر خود بنانے بگاڑنے کے تصور سے ہوا ہے۔ ہمارا مفروضہ یہ ہے کہ اردو میں ناول کی ہیئت اس اختیار کو بڑھانے، کسی کردار کے دیگر انسانوں کے مقابلے میں اختیار کا تعین کرنے، یا اس میں کمی کرنے کے لیے استعمال ہوئی ہے۔ اس مضمون میں ہم ایک کردار کے تجزیے سے دکھائیں گے کہ ناول نگار اس ہیئت کو اپنے صنفی اور سماجی اختیار کو بڑھانے کے لیے استعمال کرنے کا خواہش مند رہا ہے، تاہم ناول کی صنف انسانی دنیا کے تنوع کو قبول کرنے کے سبب نقطۂ نظر کی وحدت پر صاد نہیں کرتی، اسی لیے ناول کے کردار اپنے مصنف کے مقصدی منصوبے کی کامل پیروی نہیں کرتے۔ کثرت (Dialogism) اور تنوع کی یہ صورتِ حال ناول کی بطور صنف امتیازی خصوصیت ہے، جس کی طرف باختن نے توجہ دلائی ہے۔[(۱)] اس مضمون میں ہم اختیار (Agency) سے مراد اپنی ذات اور طرزِ عمل کی آزادی لے رہے ہیں۔ یعنی کوئی کردار اپنے ظاہر و باطن پر کس قدر قابو رکھتا ہے۔ فکشن میں یہ اختیار کردار کے مکالموں اور طرزِ عمل کے اظہار میں مضمر ہوتا ہے۔ اقتدار سے یہاں مراد اس اختیار کا وہ دائرہ ہے، جو دوسروں کو اپنی لپیٹ میں لیتا ہے۔ جب کردار دوسرے افرادِ قصہ

کے طرزِ فکر و عمل پر بھی اجارہ حاصل کر لیتا ہے۔

ناول میں مصنف کی چاہت اور کرداروں کے طرزِ عمل میں موافقت یا اختلاف کی تلاش کا ایک طریقہ خود مصنف کے بیانات اور کردار کی سامنے آنے والی تصویر کا تقابل ہے۔ دوسرا طریقہ ناول میں پیش کیے گئے کرداروں کا تقابلی مطالعہ ہے۔ ان میں کسی کردار کو مصنف کی آواز (Mouthpiece) قرار دینے کے لیے اس کے اور مصنف کے خیالات میں موجود مماثلت کو نشان زد کرنا ضروری ہے۔ ایسی مماثلت کو سامنے لانے کے لیے مصنف کی بیانیے کے علاوہ دیگر تحریروں پر توجہ مذکور کرنا ہو گی۔ ہم اس مضمون میں راوی کے بیانات کو براہِ راست مصنف کی آواز نہیں کہیں گے۔ اس کی بجائے ناول کے دیباچے اور فقہ پر نذیر احمد کی کتاب میں مذکور خیالات کا ناول کے کرداروں سے تقابل کریں گے۔ اس کی وجہ یہ کہ راوی ہمارے خیال میں ایک ہیئتی آلہ ہے، جسے مصنف کا مثنیٰ سمجھنا کئی غلط فہمیوں کو راہ دے سکتا ہے۔

ناول مراۃ العروس (۱۸۶۹ء) مصنف کی طرف سے اصلاح کے ذریعے اپنے صنفی اقتدار کو مستحکم کرنے، اور نسوانی اختیار اور اقتدار کے نشوو ارتقا حاصل کرنے میں ایک کشمکش کو دکھاتا ہے۔ یہ ناول عورتوں کی اصلاح کے لیے لکھا گیا ہے، جو انیسویں صدی کے معروف بیانیے 'عورت مانی ناقص العقل'، پر اساس رکھتا ہے، تاہم اس کا کم از کم ایک نسوانی کردار اپنی عقل، فراست، عمل، گھر کے اندر اور باہر کے معاملات میں اپنے اثر و رسوخ کے ذریعے اس مردانہ کلامیے کو چیلنج کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ اس مضمون میں ہم دیکھنے کی کوشش کریں گے کہ مردانہ اصلاحی منصوبے اور اُس کے نتیجے میں سامنے آنے والے نسوانی کرداروں کے طرزِ فکر و عمل میں مماثلت موجود ہے، یا کردار بطور صنف (Gender)، صنفی امتیاز کے اس منصوبے کے برعکس اپنے اختیار کو وسعت دے رہے ہیں۔ یوں ناول میں مصنف کے ''مقصد'' اور کرداروں کے ''طرزِ عمل'' میں فاصلہ نظر آتا ہے یا دونوں ایک دوسرے کو تقویت بہم پہنچا رہے ہیں، اور یہ کہ مصنف کا 'اسپِ اصلاح' اس کی مقصدی لگام سے نکل گیا ہے، یا باگ اس کے ہاتھ میں ہی ہے۔

آیئے پہلے اُن اصلاحی خیالات سے تعارف حاصل کر لیں، جو اصغری کی شادی کے موقعے پر اُس کے والد نے خط میں بطور نصیحت نقل کیے ہیں۔ یہ خیالات ایسی خواہشات ہیں، جن کے اثرات نسوانی کرداروں میں دیکھنا مقصود ہیں۔ نذیر احمد نے خط کو ایک ہیئتی آلے کے طور پر استعمال کیا ہے، اور براہِ راست وعظ سے دامن بچا لیا ہے۔ خط میں سب سے پہلے مرد کی عورت پر فوقیت کا اثبات کیا گیا ہے۔ اس ضمن میں پہلی برتری آدم کی پیدائش میں اولیت اور حوّا کی پیدائش میں تأخر بیان کر کے ثابت کی گئی ہے۔ اس بیانیے کے مطابق حوّا کو آدم کے بہلانے کے لیے پیدا کیا گیا ہے: ''عورت کا پیدا کرنا صرف مرد کی خوش دلی کے واسطے تھا اور عورت کا فرض ہے مرد کو خوش رکھنا۔ افسوس کہ دنیا میں کس قدر کم عورتیں اس فرض کو ادا کرتی ہیں۔''(۲) دوراندیش خان واضح کرتا ہے کہ مردوں کا درجہ عورت سے، خدا کے حکم کی وجہ سے بڑھ کر ہے، اس پر مستزاد اُن میں جسمانی قوت زیادہ ہے، عقل میں روشنی بڑھ کر ہے، دنیا کا بندوبست اُن کی عادات سے ہوتا ہے۔ یہ باتیں اصغری کے والد کی طرف سے شادی کے موقع پر اسے نصیحت بھرے خط میں درج کرنے سے قبل نذیر اپنے دیباچے میں وضاحت کر چکے ہیں کہ جسمانی طاقت کے

علاوہ مردوں اور عورتوں کا درجہ برابر ہے اور ملکہ وکٹوریا کی مثال سے وہ ثابت کرتے ہیں کہ ''اب عورتوں کی خداداد قابلیت میں کلام کرنا ہٹ دھرمی ہے۔''(۳) یہاں یہ امر دل چسپی کا حامل ہے کہ نذیر بطور مصنف اپنے دیباچے میں ایک بات کہہ رہے ہیں، جب کہ ان کا ایک کردار دوسری بات کر رہا ہے۔ دونوں باتوں کا فرق ایسے ناقدین کا منہ چڑھا رہا ہے، جو انھیں یک رخے کرداروں کا معمار اور کٹھ پتلیاں نچانے والا تمثیل نگار سمجھتے رہے۔

اصغری کا والد اُسے سمجھاتا ہے کہ زندگی کی کشتی میں شوہر ملاح کی حیثیت رکھتا ہے اور یہ کشتی دولت سے نہیں، باہمی اتفاق کی اساس پر چلتی ہے۔ دور اندیش خاں کی رائے میں اس اتفاق کو پیدا کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ بیوی شوہر سے محبت کے ساتھ اُس کا ادب بھی کرے، اُسے ''دبا کر'' نہ رکھے۔ وہ عورتوں کی آپسی شیخیوں کا ذکر کرتا ہے، جس میں سب میاں کو کسی نہ کسی طرح اپنے 'بس' میں رکھنے کو فخر سے بیان کرتی ہیں۔ اُس کو ایسی رسموں سے بھی شکایت ہے، جن میں عورتوں کا پلڑا مرد سے بھاری ہوتا ہے: مثلاً وہ تاسف سے بتاتا ہے کہ ''دلھن کی جوتی پر کاجل پاڑ کر میاں کے سرمہ لگایا جاتا ہے۔ اس کا یہ مطلب ہے کہ عمر بھر جوتیاں کھاتا رہے۔'' وہ سمجھاتا ہے کہ ''مردوں کو خدا نے شیر بنایا ہے،'' رسم و رواج کی یہ کوششیں انھیں زبردستی فرماں بردار بنانے کی ہیں۔ وہ اصغری کو نصیحت کرتا ہے کہ شوہر کو زیر کرنے کی 'آسان ترکیب'، 'خوش آمد' اور 'تابعداری' ہے۔ دور اندیش نے زیر بار کرنے کو برا نہیں جانا، صرف حکمتِ عملی میں فرق کیا ہے۔ وہ اصغری کو یہ سمجھا رہا ہے کہ زبردستی سے مطیع کرنا مشکل ہے، البتہ خوش آمد اور فرماں برداری دو ایسے طریقے ہیں، جن سے مقصود آسانی سے حاصل ہو جائے گا۔ یہاں فتح محمد ملک کا اعتراض کہ اصغری کی تمام تر سمجھداری 'مصلحت' پر مبنی ہے، درست لگتا ہے۔(۴) بات محض اتنی نہیں ہے، جب خط کا اگلا حصہ نظر میں رکھا جائے تو واضح ہو گا کہ مردوں کی فوقی حیثیت ذہن نشین کرانے کے لیے دور اندیش خان نے مذہب کا سہارا لیا ہے۔ اس کی نصیحتیں جہاں گھر داری کو احسن طریقے پر چلانے کے لیے ہیں، وہیں بیوی اور شوہر کے درمیان تعلق کی 'نوعیت' واضح کرنے والی بھی ہیں۔ اسے صرف مصلحت سمجھنا آدھے خط کا تجزیہ کرنا ہے۔ وہ تو واضح کر رہا ہے کہ گھر داری میں عورت کو ہر معاملے میں مرد کے کہے پر عمل کرنا چاہیے۔

اس بیانیے کے بعد ہم اصغری کے کردار کا تجزیہ کرتے ہیں، اور دیکھتے ہیں کہ کیا تصویر بنتی ہے۔ اصغری کے کردار کی پہلی واضح انفرادیت ماما عظمت سے اس کے جھگڑے کی صورت میں سامنے لائی گئی ہے۔ ماما کی چوری جو اصغری نے پکڑی، وہ دشمن ہوئی۔ ہر وقت اسی فکر میں رہنے لگی کہ بہو اور ساس میں، میاں اور بیوی میں فساد ہو جائے۔ اصغری کو محمودہ کے ذریعے یہ سب باتیں معلوم ہوئیں، غصہ تو بہت آیا لیکن ''ایسی احمق نہ تھی، جلد بگڑ بیٹھتی۔'' اصغری کا اس موقعے پر طرزِ عمل ایک گھاگ عورت کا ہے۔ وہ مناسب موقعے کی تلاش میں ہے۔ اس کے عزائم اس کی دل کی باتوں سے نمایاں کیے گئے ہیں: ''انشاء اللہ تجھ کو وہاں ماروں گی کہ جہاں پانی نہ ملے اور ایسا تجھ کو اجاڑوں گی کہ محلے میں آنا نصیب نہ ہو۔''(۵) یہ منصوبے ایسے ہیں، جن سے اصغری کا کوئی اچھا تاثر پڑھنے والے پر نہیں بیٹھتا۔ اس کی عقل مندی، معاملہ فہمی اپنی جگہ، تاہم بدلہ لینے کا یہ عزم، اور وہ بھی اس درجے کا واقعی 'بدتمیزی' قرار دیا جاسکتا ہے۔

اصغری اپنے شوہر اور نند دونوں کو 'سلیقے' سے سمجھا کر شبِ برات کے موقعے پر پٹاخے چھوڑنے سے باز رکھتی ہے۔ کامل کے 'بچپنے' کو اصغری بلوغت تک لا رہی ہے۔ اصغری نے 'حکمت' یہ اپنائی کہ اپنی نند محمودہ کو ایسے وقت میں سمجھایا کہ کامل بھی پاس بیٹھا تھا، اس نے ہاتھ پیر جل جانے کے خطرے سے آگاہ، روپوں کی بربادی سے خبردار کیا، اور اپنی ساس کی فکرمندی کہ شبِ برات کے خرچ کے لیے روپیہ کہاں سے آئے، دونوں کے گوش گزار کی۔ اتنے 'معقول' دلائل سُن کر خود بخود کامل کے دل سے یہ شوق اتر گیا۔ اس نے ماں کو جاکر منع کر دیا کہ پٹاخوں کے خرچ کے لیے پریشان نہ ہو، اسے نہیں چھوڑنے۔

اصغری کا باپ اسے چند دن کے لیے میکے میں روکنا چاہتا ہے، تو وہ اپنے سسر کے آنے کا ذکر کرتی ہے: ''ابا جان کے آنے سے پہلے گھر میں موجود رہنا مصلحت معلوم ہوتا ہے۔''(۶) اسی جملے کو بنیاد بنا کر فتح محمد ملک نے کہا تھا کہ اصغری کے تعلقات مہر و محبت یا ایثار پر مبنی نہیں، 'مصلحت' پر مبنی ہیں۔(۷) ہماری رائے میں یہاں سوال تعلق کا نہیں، حفظِ مراتب کا ہے۔ سسر، اصغری کی شادی کے بعد پہلی بار گھر آ رہا ہے، اس لمحے بہو کا موجود نہ ہونا، 'بدتمیزی' شمار ہوگا، اسی 'مصلحت' کے تحت اصغری سسرال جانے کی خواہش مند ہے۔

اصغری نے اپنی ساس کو سمجھایا اور ماما رکھنے میں اسی کی مرضی چلی۔ ماما عظمت کو نکلوانے کے بعد جب نئی ماما کو رکھنے کا مرحلہ آیا، تو ساس نے جو دو چار نام گنوائے، سب میں کوئی نہ کوئی فی اصغری نے نکالی، آخر کار اُسی کی تجویز کردہ عورت کے حق میں فیصلہ ہوا۔ ماما عظمت کے قصے سے اصغری کی عقل مندی کا اعتبار گھر والوں پر قائم ہو گیا تھا، اس لیے اب ہر معاملے میں اسی کی رائے کو مقدم جانا جاتا۔ ماہوار خرچ کا ٹنٹا بھی وہی نبیڑتی ہے۔ ساس سسر جو اس بات پر لڑ جھگڑ رہے تھے، اس معاملے کو اصغری نے ہی سلیقے سے حل کیا، اس کی دلیلیں سن کر ''ساس چپ ہو رہیں۔''(۸)

اصغری ہی میاں کو پڑھنے کی طرف راغب کرتی ہے، وہی اسے نوکری کے ڈھب پر لاتی ہے۔ وہ سمجھاتی ہے ''جو نوکری پیشہ لوگ ہیں، ان سے ملاقات پیدا کرو، ان سے محبت بڑھاؤ، ان کے ذریعے تم کو نوکری کی خبر لگتی رہے گی اور ان ہی کے ذریعے سے تم کسی حاکم تک بھی پہنچ جاؤ گے۔''(۹) اسی نصیحت پر عمل پیرا ہونے سے کامل کو کچہری میں روزنامچہ نویس کی نوکری مل جاتی ہے، جسے معمولی سمجھ کر وہ بیزار ہونے لگتا ہے، تو اصغری اسے 'سمجھا' لیتی ہے۔ اسی دوران حاکم جیمس کی بدلی سیالکوٹ ہوئی، جو کامل کے حال پر خصوصی توجہ رکھتا تھا۔ کامل مغموم گھر لوٹا تو اصغری نے سمجھایا کہ اس کے رخصت ہونے سے پہلے اسے مل لو۔ اس ملاقات کے وہ دو فائدے بتاتی ہے، ایک کوئی پروانہ لکھ دے گا، دوسرا مربی سے آنکھیں چرانا بے مروتی ہے۔ اس صلاح کو مان کر کامل، جیمس سے ملا تو اس نے سیالکوٹ میں نوکری کی پیش کش کی، جسے کامل نے منظور کر لیا۔ اصغری کی جس نصیحت پر کامل نے عمل کیا، اس کا 'بھلا' ہی ہوا، کہ وہ نصیحت ہی بھلے کی کرتی تھی۔

''اصغری کے جوتنے'' سے سیالکوٹ کیا آنا ہوا، دنیا ہی بدل گئی۔ کامل دلّی میں دس پر عوضیاں بھرتا پھرتا تھا، اب پچاس روپے کا نائب سرشتہ دار ہو گیا، نذیر احمد نے اصغری کے مشوروں اور اس کی تجاویز سے کامل کی تکمیل کو

پروان چڑھایا ہے۔

سیالکوٹ میں کامل سررشتہ دار بنا، تو پاؤں پھیلانے شروع کیے، اصغری سمجھ دار تو پرلے درجے کی ہے، محض خطوں کی کمی سے بھانپ گئی، ساس کو بتا کر، نہ کہ پوچھ کر، سیالکوٹ پہنچی، نصیحت کی مصری سے کان اینٹھے، اور ڈیڑھ برس میں سب انتظام درست کیا، لیکن دھڑکا تھا کہ پھر سے حضرت پیٹ سے پاؤں نہ نکالیں، پیش بندی کے طور پر اپنے خالہ زاد محمد صالح، اسمِ باسمیٰ کو یہ کہہ کر کامل کے پاس چھوڑ گئی، کہ تمہارے ساتھ کچہری کا کام بھی کرے گا، اور اس کی نوکری بھی ہو جائے گی۔ ''اب اصغری کو اطمینان ہوا۔''(۱۰)

اگر کامل کے معمولات اور کامیابی پر نظر کریں تو اس میں تمام تر ہاتھ اصغری کا ہے، ایک عورت ہو کر وہ مردوں کے کان کاٹ رہی ہے۔ یہاں یہ امکان ہے کہ اسے ایک 'مثالی کردار' کہہ کر رد کر دیا جائے۔ اگر دلیل یہی ہے، تو فکشن کے کس کردار پر انگلی رکھی جا سکتی ہے کہ یہ 'حقیقی' کردار ہے۔ کردار تو تخیل سے ہی بنتا ہے، ہاں اس میں مبالغے کی ملاوٹ سے اس کا داخلی نظم بگڑ سکتا ہے۔ اگر یہ کسی خاتون کا لکھا ہوتا، تو کہہ سکتے تھے، کہ مردوں کو کمتر ثابت کرنے کے لیے لکھا گیا ہے، اس کو کیا کیجیے کہ خود نذیر احمد الحقوق الفرائض میں مرد کی برتر حیثیت کو مذہبی دلائل سے ثابت کر چکے ہیں۔ اس ناول میں بھی دور اندیش خاں کی زبانی مردوں کا شیر ہونا اور طاقت میں عورتوں سے بڑھا ہونا بیان ہو چکا ہے، تو پھر اس کردار کی کیا تعبیر کی جا سکتی ہے۔ ایک تو تعبیر تخالف آمیزی (Ambivalence) کے تصور سے کی جا سکتی ہے، جو ناولانہ بیانیے کا خاصہ ہے۔ عموماً مقبول اور اصلاحی بیانیے اپنے اندر ہی ایسے اجزا کے حامل ہوتے ہیں، جو ان کے دعاوی کی تردید، مخالفت یا تضاد کو سامنے لاتے ہیں۔ دوسری تعبیر یوں کی جا سکتی ہے کہ یہ ناول عورتوں کی جہالت اور توہمات، جن کے سبب وہ اکثر 'مبتلائے رنج و مصیبت رہا' کرتی ہیں، اسے دور کرنے کے لیے لکھا گیا ہے۔ تعلیم، تربیت اور سلیقے نے اصغری کے اختیار کو ہی ترقی نہیں دی، اس کا اقتدار بھی اسی سے قائم ہوا ہے۔ طاقت ور مرد کے بالمقابل یہاں عقل و دانش ہے، جو اسے اپنا مطیع بنائے ہوئے ہے۔ ملکہ وکٹوریا کی مثال دیباچے میں ایسے ہی نہیں آئی۔ عورتوں کی عقل مندی کو اسی کی مثال نے قائم کیا ہے۔ یہاں عقل بمقابلہ طاقت والی بات تو نہیں، کہ کامل کبھی اصغری کے سامنے چوں چراں نہیں کرتا، نہ اپنی مردانہ 'وجاہت' دکھانے کے موقعے ڈھونڈتا پھرتا ہے۔ عقل کے سہارے ناقص العقل نے سارے گھر کو اپنے بس میں کر لیا ہے۔

عقل کے سہارے اصغری اپنے معاشی حالات کو بہتر بناتی ہے۔ یوں سماجی تحرک (Social Mobility) کا ایک امکان پیدا ہوتا ہے۔ وہی گھر جو شادی سے پہلے قرضوں میں گھرا تھا، اب اُسی آمدن میں سلیقہ شعاری کے سبب وہاں بچت ہونے لگی ہے۔ اسی پر بس نہیں، اپنے میاں کی ملازمت اور اس میں ترقی کی وجہ بننے سے اصغری کی بدولت، یہ گھرانہ معاشی ترقی بھی کر گیا ہے۔ اس پر مستزاد گھر میں کھولے سکول کی مدد سے اصغری اپنی ہی برادری کے ایک امیر گھرانے حکیم صاحب کے ہاں اپنی نند محمودہ کا رشتہ کروانے میں کامیاب ہو جاتی ہے۔ اس رشتے کے لیے اس نے طویل منصوبہ بندی کی۔ پڑھانے کی کوئی فیس یا تحفہ نہ لینا، بلکہ خود اپنی طرف سے خرچ کرنا، تحائف

دینا اور تربیت کا کوئی عِوض قبول نہ کرنا، اس منصوبہ بندی کے کچھ حربے ہیں۔ جب پہلی بار وہ محمد کامل کو نوکری کے لیے آمادہ کرتی ہے، اسی لمحے اپنے اس عزم کا دبے لفظوں میں اظہار کرتی ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ قصے میں پلاٹ کے عنصر کا ایک حد تک تصور نذیر احمد کے ہاں ملتا ہے۔ اصغری محمد کامل سے کہتی ہے: ''خدا راس لائے تو ارادہ یہ ہے کہ بہت اونچی جگہ اس [محمودہ] کا بیاہ ہو اور میں تدبیر کر رہی ہوں۔''(۱۱) حسن آرا کا گھرانہ جب 'استانی' کا پوری طرح قائل ہو جاتا ہے، تبھی وہ حسن آرا کے بھائی کے لیے محمودہ کی بات چلاتی ہے۔ شاہ زمانی بیگم اپنی بیٹی کا ناتا حسن آرا کے بھائی سے کرنے کی خواہش مند ہیں، وہ اصغری سے محمودہ اور ارجمند خان کے رشتے کے بے جوڑ ہونے کی بات کرتی ہیں، اصغری محمودہ کے ہنر کو بطور دلیل لاتی ہے۔ وہ سمجھاتی ہے کہ ''ہنر اور دولت کا ساتھ ہے۔'' یہ اس کی نظر میں ہے کہ ارجمند ''اللہ آمین کا ایک لڑکا، جو کچھ مال و متاع ہے، سب اسی کا ہے۔ پس اتنے بڑے کارخانے کے سنبھالنے کو بھی عقل اور سلیقہ چاہیے۔'' اصغری اپنی شاگرد اور ارجمند کی بہن حسن آرا کو اپنے ساتھ ملائے ہوئے ہے۔ وہ اسے اس طور قائل کر لیتی ہے، کہ وہ اس رشتے کی وکیل بنے۔ یہاں نذیر احمد نے لکھا ہے۔ ''غرض اصغری نے یہ سب پٹی پڑھا کر حسن آرا کو رخصت کیا۔''(۱۲) انھی تدبیروں کا نتیجہ ہوا کہ اپنی حیثیت سے چار گنا بہتر گھرانے میں اصغری نے نند کا بیاہ کر دیا۔ اس شادی کو ممکن بنایا، ہنر، خوبصورتی اور 'ذات' کی یکسانی نے۔ ہر بار جب رشتے کی بات نکلی تو اطمینان کو یہ بات موجود تھی کہ دونوں گھرانوں کی ذات ایک ہی ہے۔ سو ہنر اور خوبصورتی بھی تبھی کام آئے، جب ذات کی یکجائی موجود تھی۔ اس طرح اصغری نے سماجی بہتری کو حاصل کیا، شہر کے سب سے امیر اور معزز گھر میں ناتا کر لیا۔ گھر سنبھالنا، میاں کی تعلیم، ملازمت، ترقی اور اعلیٰ کردار کی ضامن بنی اصغری، اپنی نند کا رشتہ اپنے سے کئی درجے بہتر لوگوں میں کر کے، سماجی تعزز بھی حاصل کر لیا۔ یہ سب کام اصغری نے کیے ہیں، اس کی ذہانت، حکمتِ عملی، منصوبہ بندی یا 'مصلحت' نے اتنے کام بنا دیے کہ خود اس کا اختیار، اقتدار میں تبدیل ہو گیا۔ جو بات اس کے باپ نے شادی کے وقت خط کے ذریعے سمجھائی تھی کہ میاں کو بس میں کرنے کے لیے 'اطاعت' اور 'خوش آمد' سے کام لینا چاہیے، ناول میں خوش تدبیری اور عقل مندی سے اصغری نے یہ کام کیا ہے، اور گھر تو کیا، محلہ اور اس سے بھی بڑھ کر شہر اس کا نام لیوا ہو گیا۔ یہ کردار 'ناقص العقلی' کے بیانیے کے بالمقابل عورت کی عقل و دانش کا ایک بالکل دوسرا روپ سامنے لاتا ہے۔ یہاں محض گھر داری نہیں، باہر کے کام جیسے میاں کی ملازمت اور مکتب چلانا وغیرہ، ان میں بھی اصغری کو کامیابی ملتی ہے۔

مصنف اپنی مذہبی کتاب (۱۳) اور ایک مرد کردار کی نصیحتوں سے عورت کے ناقص العقل اور مرد کے مقابلے میں کمتر اور کمزور ہونے کے جس بیانیے کو تعمیر کرتا ہے، اس کے ناول میں موجود نسوانی کردار اس کے برعکس عمل کرتا ہے۔ اس کردار کے تجزیے میں اصغری کے مقابلے میں کامل موم کی ناک ہے، جس کی سمجھ بوجھ بھی واجبی سی ہے، جو ترقی بھی کرتا ہے تو اس کی نصیحت پر عمل کر کے۔ اصغری کا کردار اردو ادب میں ایک نئی جہت کا اضافہ ہے۔ اب کرداروں کو اُن کی صنفی خصوصیات کے علاوہ انفرادی خصائص کی بنیاد پر بھی دکھایا جانے لگا ہے۔ عورت محض عورت نہیں، وہ گھر بنانے یا بگاڑنے کی ذمہ دار سمجھی جانے لگی ہے۔ دوسرے یہ کہ اب اس کا کام محض گھر داری تک محدود

نہیں رہا، شوہر کی ملازمت، اس کے اخلاق اور شخصی رجحانات پر نظر رکھنا بھی اُس کے کردار کا حصہ بن گیا ہے۔ اب وہ زنانے تک محدود نہیں رہی۔ یہ ایسے امکانات تھے جو پردہ نشین بی بی کے لیے سامنے آرہے تھے۔ فکشن میں اب عورت کی حیثیت کسی 'انعام' یا 'خزانے' کی نہیں رہی، جس کی تلاش میں داستانوں کے شہزادے یا تاجر زادے مشقتیں جھیلتے تھے۔ اب عورت کو مردوں کی شیلی بنا کر پیش کرنا بھی تبدیل ہوا، بیاہیے میں جس کا کام بس ''دوشیزہ ، پری رو، معشوقہ'' کی صورت آنا اور خواجہ کے مرنے کی خبر سن کر موت کو گلے لگانا تھا۔ نذیر احمد پر الزام ہے کہ ان کی وجہ سے اردو ناول کی بسم اللہ غلط ہوئی اور ناول کے اردو میں نہ پنپنے کا سہرا بھی انھی کے سر ہے۔ اگر داستانوں اور ان کے ناولوں کے کرداروں کی پیش کش اور کرداروں کے اپنی زندگیوں پر اختیار کو دیکھا جائے، تو واضح ہو گا کہ انھی کے قصے اردو میں پہلی بار اس امکان کو لے کر آئے کہ کردار کسی منصوبے کا ایجنٹ بننے کی بجائے ایک عامل کے طور پر بروئے کار آسکیں۔ یہی تو داستان سے ناول کی طرف انحراف تھا، کہ اب تقدیر کی ڈوری خارجی قوتوں کے ہاتھ نہیں، کرداروں کے اپنے ہاتھ تھی۔ عورت اب محل کی حسینہ نہیں، گھرداری کی منتظم اور خاندان کی تشکیلِ کار بن گئی تھی۔ یہیں سے اردو فکشن میں ناول کا سفر شروع ہوا۔ ابواب کے طویل عنوانات سے نذیر کے ناولوں کو داستان کے قریب ثابت کرنا، ان کے کرداروں کی خصوصیات اور ان کی پیش کش میں روزمرہ زندگی (Profane) کی اہمیت اور تفصیلی بیان کو نظر انداز کرنا ہے۔ یہ طویل عنوان یا کرداروں کو ان کی بنیادی خصوصیات کی اساس پر نام دینا نہیں، جو کسی قصے کو داستان یا ناول کی ہئیت دیتے ہیں، یہ کرداروں کی طرف لکھنے والے کا رویہ ہے، جو تحریر کی صنف کا تعین کرتا ہے۔

حوالہ جات وحواشی:

(۱) تفصیل کے لیے دیکھیے باختن کی درج ذیل کتب:

Bakhtin, M. M., & Holquist, M., *The Dialogic Imagination: Four Essays* Vol. 1. (Austin: University of Texas Press, 1981).

Bakhtin, M. M., *Rabelais and his World* (Cambridge, Mass.: M.I.T. Press,1968)

اردو میں باختن کے تصورات کا مفصل تعارف اور اُس کی بنیاد پر اردو ناول کی روایت کا تجزیہ آصف فرخی نے کیا ہے۔ ملاحظہ ہو: آصف فرخی، **عالمِ ایجاد** (کراچی: شہرزاد، ۲۰۰۴ء)۔ اس مجموعے میں بھی خاص طور پر ان کا مضمون: ''حیرتی ہے یہ آئینہ''۔

(۲) نذیر احمد، **مراۃ العروس**، دوسرا ایڈیشن (دہلی: صدیقی پریس، س ن)، ص ۸۶۔

(۳) ایضاً، ص ۱۴۔

(۴) فتح محمد ملک، ''تمیز دار بہو کی بدتمیزی'' مشمولہ اندازِ نظر (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۱۹۹۹ء)، ص ص ۹-۲۴۔

(۵) نذیر احمد، مراۃ العروس، ص ۱۰۴۔

(۶) ایضاً، ص ۱۲۴۔

(۷) فتح محمد ملک، ''تمیز دار بہو کی بدتمیزی''، ص ۹-۲۴۔

(۸) نذیر احمد، مراۃ العروس، ص ۱۴۰۔

(۹) ایضاً، ص ۱۸۳۔

(۱۰) ایضاً، ص ۱۹۷۔

(۱۱) ایضاً، ص ۱۸۱۔

(۱۲) ایضاً، ص ۲۰۸۔ ؛ خود اصغری کے بچوں کی شادیاں تعلیم کی وجہ سے اونچے گھرانوں میں ہوئیں، اس نکتے پر مزید بحث کے لیے دیکھیے: ڈاکٹر فخرالکریم صدیقی، اردو ناول میں خاندانی زندگی (الہ آباد: فخرالکریم صدیقی، ۱۹۸۴ء)، ص ۵۶۔

(۱۳) نذیر احمد، الحقوق و الفرائض، جلد دوم (دہلی: افضل المطابع، ۱۹۰۶ء)